غالبِ افسانہ گو

ڈاکٹر محمد خاں اشرف

Dr. Muhammad Khan Ashraf

Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر عظمت رباب

Dr. Azmat Rubab

Associate Professor, Department of Urdu,
Lahore College For Women University, Lahore.

Abstract:

Ghalib's poetry has fascinated the readers for the last two hundred years. During his time he had his detractors and admirers. But after his death his popularity has kept increasing, and now he is universally acclaimed as one of the greatest Urdu poets. Many critics and admirers have been explaining and elucidating the poetical characteristics and merits of his verses. In this paper the thesis has been put forward that one of the basic reasons for the popularity of his poetry is that he uses the finest techniques of storytelling and shorty story writing in his verses.The finest of his couplets are indeed an example of narrating a story in the best poetical way, using the traditional characters of the Ghazal and employing the symbolic and metaphoric technique.

عرصہ تک میں اس اسرار کو سمجھنے میں مصروف رہا کہ غالب کی غیر معمولی مقبولیت کا سبب کیا ہے؟ یعنی غالب کے کلام کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جو اس کو ہر کہ ومہ میں پسندیدہ بنا گئی ہیں۔ کلیاتِ غالب کی ترتیب وتدوین کے طویل عرصہ میں بھی یہی پہیلی میرے ذہن کے گوشوں میں نہاں رہی اور میں شعوری سطح پر اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ معمہ میرا ذاتی معمہ تھا کہ گو غالب کا کلام مجھے ہمیشہ سے پسند رہا لیکن اس کی وجہ پوری طرح سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اس گُتھی کو سلجھانے کے لیے میں نے ایک مضمون لکھا، اس کا عنوان تھا: ’’غالب کی شاعری‘‘(۱) اور اس میں غالب کے کلام کی ان ساری خصوصیات کو قلم بند کیا جو مختلف نقادوں نے بیان کی تھیں۔ غالب کے کلام کی ندرت، ان کی انا، ان کا حسن ومحبت کا بیان، ان کا محبوب کا تصور، ان کی

تشبیہات واستعارات کی خصوصیات، ان کی فلسفیانہ فکر، ان کا تصوف کا نظریہ، ان کی مشکل پسندی اوراس کی وجوہات، ان کی روایت شکنی، ان کی انسانی فطرت کی بصیرت وغیرہ(۲) یہ سب لکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اور دیگر خصوصیات گو غالب کے کلام کو ندرت عطا کرتی ہیں لیکن تنہا یا مل کر بھی وہ بنیاد مہیا نہیں کرتیں جو غالب کی ہر دلعزیزی کا باعث ہوں۔ یہ خصوصیات تو جدا طور پر یا کس حد تک دوسرے شعرا کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس مضمون نے میرے منتشر خیالات کو یکجا کرنے کا موقعہ دیا اور اسی دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ غالب کی یہ تمام خصوصیات ان کی ایک ایسی خصوصیت کو جنم دیتی ہیں جو ان کی ہمہ گیر پسندیدگی کا باعث ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کے آخر میں اس طرف اشارہ بھی کیا۔ خیال تھا کہ کوئی نقاد یا قاری اس پر طبع آزمائی کرے گا لیکن ربع صدی گزرنے کے بعد اور ''کلیاتِ غالب'' کے اشاعت کے بعد تک اس طرف کسی نے توجہ نہ دی۔

غالب کی وہ خصوصیت جو ان کی مشکل پسندی اور بلند خیالی کے باوجود اس کی وسیع تر پسندیدگی کی بنیاد ہے وہ ان کی ''افسانہ گوئی'' کی خصوصیت ہے۔ اکثر قارئین کو پہلے نظر میں یہ کوئی منفرد خصوصیت محسوس نہیں ہو گی لیکن میرے ساتھ چلیں۔ دیکھتے ہیں کہ اس میں کس قدر سچائی ہے۔

انسان کے لیے پہلا اور آخری دلچسپی کا موضوع ''انسان'' ہی ہے اور یہ دلچسپی ہی اس کی زندگی اور اس کے متعلق معلومات میں توجہ لینے کا باعث ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ، اخبارات، رسائل، ٹی وی، اطلاعاتی علوم، تاریخ، معاشرتی علوم، سیاست، مذاہب، تمام تحریکیں، تمام تصورات آخر کیا ہیں؟ ان کا موضوع کیا ہے؟ ذرا سوچیں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کا موضوع بھی انسان ہے اور ان سب کا مقصود و منشا بھی انسان ہے۔ یعنی یہ انسانوں کے لیے ہیں اور ان کی دلچسپی کے لیے ہیں، ان کی توجہ کھینچنے کے لیے ہیں اور انسانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے سب سے دلکش اور دلچسپ انسانوں کی کہانیاں ہیں۔

''کہانی'' پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ تمام ادب اور فنون کا مرکز ''کہانی'' ہے۔ بچپن سے لے کر آخر عمر تک کہانی انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی طرف تہذیب کے آغاز سے لے کر آج تک انسان کی دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز ''کہانی'' ہے۔ ابتدائی دور کی حکایات ہوں، داستانیں ہوں، ناول ہوں، مثنویاں ہوں، ڈرامے ہوں، اخباری سرخیاں ہوں یا مختصر افسانہ۔(۳)

غالب کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی غزل کے مختلف اشعار میں ایک ''افسانہ'' بیان کرتے ہیں اور اس افسانہ کو بیان کرنے میں وہ فنِ داستان گوئی، ڈراما نگاری اور ''افسانہ نگاری'' کے تمام طریق، فنی تقاضے، دلچسپی کو ابھارنے کے طریقے اور ''انکشاف'' یعنی Denouement کے طریقے استعمال کرتے ہیں۔(۴) اس میں کچھ حربے پہیلی اور چیستان کے بھی ہوتے ہیں لہٰذا وہ قاری کی دلچسپی اور توجہ کو پہلے تو اکساتے ہیں پھر اپنی طرف مبذول رکھتے ہوئے قدم بہ قدم ''انکشاف'' کے مرحلے تک پہنچتے ہیں اور چیستان یا پہیلی کے حربے کے ذریعے اس کو ذہنی طور پر چیلنج کرتے ہیں جس کو سمجھنے، حل کرنے اور پھر محسوس کرنے کے عمل سے قاری نہایت لطف اندوز ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ نہ صرف کہانی کے سننے کے عمل میں شریک ہوا بلکہ اس کے حل میں بھی اس کا حصہ ہے۔

اب میں اس اجمال کی تفصیل کو مختصر بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اردو غزل نے اپنے تمام کردار اور حوالے فارسی سے لیے لہٰذا اس کو غزل کی تمام روایات، اس کے کردار، اس کے موضوعات اور تغزل کے تمام اطوار اور ڈکشن ورثے میں ملے۔ یہ کردار بھی متعین تھے اور ان کی روایات بھی پختہ۔ محبوب ہمیشہ ظالم، بے وفا، بے حد حسین و جمیل ہوتا ہے، محفل سجاتا ہے، عاشق مظلوم لیکن بے ریا اور پُر وفا ہے، بہت سے رقیب ہوتے ہیں جو بوالہوس اور مطلب پرست ہیں۔ محبوب کا کوچہ ہے (جو بعد کی

شاعری میں شہر بن جاتا ہے) محتسب ہے، واعظ ہے، شیخ صاحب ہیں، مے خانہ ہے، خرابات ہے، ویرانہ ہے، دشت ہے، قافلے ہیں، محمل ہے، بے ستوں ہے اور فارسی شاعری کی ساری روایات ہیں جو اردو شاعری میں اپنالی گئی تھیں۔(۵)

لیکن غالب کے عہد تک ان میں اکثر کردار اور روایات ابھی پوری طرح علامت کا روپ اختیار نہیں کر سکی تھیں اور ابھی ہندوستانی معاشرے کی موضوعیت سے ٹکراؤ کے عمل میں تھیں۔ علامات و روایات کی اس دنیا کو غالب نے اپنایا اور ان عوامل کو اپنی داستان اور افسانہ گوئی کے کرداروں کی شکل دے دی۔ اس نے اکثر کرداروں کے درمیان باقاعدہ کشمکش اور ٹکراؤ کی صورت پیدا کی اور پھر روایتی طریقہ ترک کر کے نئے طریقے سے اس ٹکراؤ اور کشمکش کو حل کیا۔ اس طرح انھوں نے ایک ایسا بیانیہ تشکیل دیا جو غزل کے تغزل اور افسانہ گوئی کے فن کا اشتراک تھا۔ اس طرح انھوں نے غزل کے کلاسیکی کرداروں کی آمیزش اور آویزش سے اپنی شاعری کی وہ منفرد خصوصیت ایجاد کی جس کو میں نے ''افسانہ گوئی'' کا عنوان دیا ہے۔

اب ہم اس عمل کی کچھ مثالیں لیتے ہیں۔ اردو شاعری میں چمن، بلبل، قفس کی علامات بہت پرانی ہیں۔ غالب نے اس کہانی کو اس طرح بیان کیا ہے:

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو!(۶)

یہ شعر غالب کی فنِ افسانہ گوئی کی خصوصیات کو واضح کرتا ہے۔ کہانی یوں ہے کہ شاعر ایک بلبل ہے، صیاد کے ہاتھوں اسیر ہو کر قفس میں بند ہے۔ صیاد جو ظالم ہے وہ ایک دوسری بلبل کو بھی پکڑ کر قفس میں بند کر دیتا ہے۔ عام معاشرتی روایت کے مطابق محبوس شاعر نئے قیدی پرندے سے اپنے چمن کا حال احوال دریافت کرتا ہے۔ وہ اس کو چمن کا حال بتاتا ہے اور اس بیان کے دوران کہتا ہے کہ کل چمن پر طوفان و بار نازل ہوا تھا اور پھر اس دوران بجلی گری تھی۔ اتنا کہہ کر وہ چپ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کو یکا یک احساس ہوتا ہے کہ جو آشیان اس بجلی کے گرنے سے جلا تھا وہ تو شاعر کا آشیان تھا اور وہ انسانی ہمدردی کے تحت اسے قفس کی ظلمات میں یہ بری خبر نہیں سنانا چاہتا لیکن شاعر اس بات کو سمجھ جاتا ہے اس کے باوجود وہ نئے پرندے کو حوصلہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہانی بیان کرتے جاؤ اور داستان سنا دو کیونکہ ضروری نہیں کہ کل جس قفس پر بجلی گری وہ میرا ہی آشیاں ہو! حالانکہ شاعر جانتا ہے کہ جو بلا بھی آسمان سے نازل ہوتی ہے وہ اسی کا گھر جلانے کے لیے ہے!

یہ تو وہ کہانی ہے جو غالب کے شعر کا پس منظر تھی اور یہ اردو ادب کی روایات میں سے ہے۔ بہت سے شعرا اس کو بیان کرتے ہیں اور اپنے قفس کا ماتم کرتے ہیں۔ غالب کی انفرادیت اس کہانی کے بیان کرنے میں ہے۔ ایک تو انھوں نے اس سانحہ کو کہانی کا رنگ دے دیا۔ دوسرے اس پر ماتم اور رونے دھونے کے بجائے اس کو انسانی ہمدردی کا رنگ دیا۔ اور تیسرے اس کے بیان میں ''افسانے'' کے بیانیہ کے سارے حربے استعمال کیے۔ وہ اس کا ایک پلاٹ بناتے ہیں، کہانی کو آغاز سے بیان نہیں کرتے بلکہ انجام کو پہلے بیان کرتے ہیں۔ بہت سے واقعات چونکہ روایتی ہیں وہ ان کو قاری کے سمجھنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ شعر میں ''مکالمے'' کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور روایتی علامتوں کو ''کرداروں'' میں بدل دیتے ہیں۔ ان کرداروں میں انسانی خصوصیات یعنی تجسس، باہمی معاشرت اور گفتگو، داستانی رنگ، ہمدردی اور وہ خصوصیت جسے Empathy کہتے ہیں، بھر دیتے ہیں اور آخر میں ''انکشاف'' کو معکوس طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ یہی ان کا ''فنِ افسانہ گوئی'' ہے جس کو انھوں نے غزل کے اختصار اور تغزل کی ایمائیت اور علامت کی مدد اور روایتی استعاروں کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

غالب کا یہی انداز ان کے اکثر و بیشتر اشعار میں نظر آتا ہے۔ مکالمہ کا رنگ، انکشاف کا لمحہ، بیانیہ انداز، علامات اور کرداروں کا افسانوی استعمال، علامتوں میں انسانی خواہشات، تصورات، جذبات کا اظہار ان کے فن کی خصوصیات ہیں۔ یہ خصوصیت ان کی نمایاں ترین خصوصیت ہے اور ان کی غزلوں میں اس کا جابجا استعمال ملتا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان ایک قرطاس و مضمون سے زیادہ وسعت چاہتا ہے۔ یہاں چند مزید اشعار درج کیے جاتے ہیں جو اسی خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

وفا کیسی؟ ، کہاں کا عشق؟ ، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر ، اے سنگدل ، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو (۷)

اس شعر میں جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ ابتدا میں روایتی دکھائی دیتی ہے یعنی ایک عاشق کی وفاداری اور اس کا محبوب کے کوچے میں چکر لگانا اور خوار ہونا، ایک عاشق اپنے محبوب کے لیے ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف اسی ایک کا ہو کر رہ جاتا ہے اور عشق میں دین و دنیا تیاگ دیتا ہے لیکن نتیجے میں اسے محبوب کا دیدار نصیب نہیں ہوتا اور وہ اس کی چوکھٹ تک ہی رسائی حاصل کر پاتا ہے، محبوب رقیبوں اور غیروں میں خوش ہے اور عاشق کی محبت اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی۔ اپنی محبت کی مسلسل اتنی ناقدری پر شاعر روایت سے بغاوت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وفا اور عشق کی کوئی قدر نہیں ہے اور میری قسمت میں سر پھوڑنا ہی لکھا ہے تو پھر میں کیوں ایک ہی محبوب کو اپنی زندگی کا محور و مرکز بنائے ہوئے ہوں۔ اس بغاوت میں بھی ایک سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت ہے کہ وہ اور کسی چوکھٹ پر نہیں جا سکتا اور نہ ہی محبوب اسے جانے دے رہا ہے۔ وہ اس پر نظرِ کرم بھی نہیں کر رہا اور شاعر کا عشق اسے کسی اور طرف دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دے رہا۔

لو ، وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں(۸)

اس شعر میں کہانی، مکالمہ، انکشاف، پلاٹ اور وحدتِ تاثر ہے۔ شاعر محبوب کی محبت میں اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کی کوئی پروا نہیں کرتا، وہ بطور ایک عاشق کے مشہور ہو چکا ہے اور اس نے اپنا گھر بار، عزت، شہرت اور ناموس سب داؤ پر لگا دیے ہیں۔ وہ اس پر بہت خوش ہے کہ اس نے سچے عاشقوں کا وطیرہ اختیار کیا ہے۔ اسے دنیا کی باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے لیکن جب محبوب بھی اسے دنیاوی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس پر ایک تحقیر آمیز نگاہ ڈالتا ہے کہ تمھارے پاس ہے کیا جو تم عاشقی کا دعویٰ کرنے آ گئے ہو تو ایک استعجاب، حیرت اور انکشاف کی کیفیت میں شاعر کہتا ہے کہ اگر میں یہ جانتا کہ محبوب بھی مجھے بے ننگ و نام ہونے کا طعنہ دے گا تو میں اس کے لیے اپنا گھر بار نہ لٹاتا۔ یعنی محبوب بھی دنیا دار ہے اور اسے محبت و وفاداری کے بجائے مال و دولت اور آسائشیں عزیز ہیں۔

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظرف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں(۹)

اس شعر میں پوری ایک کہانی ہے، کردار ہیں، مکالمے ہیں، انکشاف ہے اور ایک پلاٹ بھی ہے۔ قصہ کچھ یوں بنتا ہے کہ شاعر اپنے آپ کو بہت وفادار اور مخلص سمجھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ محبوب کی محفل میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بظاہر تو اس کا دم بھرتے ہیں لیکن اصل میں وہ ظاہر پرست ہیں اور محبوب کے ساتھ وفادار نہیں ہیں۔ اس غیر یا رقیب کا حوالہ دے کر بہت زعم سے شاعر نے ایک دن محبوب سے کہا کہ اتنے حسین محبوب اور وفادار عاشق کی موجودگی میں رقیب کا کیا کام۔ لہٰذا حسن و عشق کی اس

محفل کو غیروں سے پاک ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اگلے حصے کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ شاعر نے اشاروں کنایوں میں اپنے آپ کو وفادار اور رقیب کو غیر کہا تھا لیکن محبوب نے اس بات کو سن کر جو ردِ عمل دیا وہ ایک انکشاف اور دلچسپ منظر ہے۔ اس نے شاعر کو اس محفل سے اٹھا کر کہا کہ ''یوں''یعنی اس طرح۔ یہ اتنی دلچسپ صورتحال ہے کہ اس کے بعد کی کہانی، تاثرات اور واقعات قاری کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔

افسانے اور کہانی کے حامل درج بالا اور درج ذیل اشعار محض ایک نمونہ ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کلیاتِ غالب میں اکثر ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں مختصر افسانے کے اجزا کہیں جزوی اور کہیں مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔

دوست غم خواری میں میری ، سعی فرماویں گے کیا؟
زخم کے بھرتے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا؟(۱۰)

بے نیازی حد سے گزری ، بندہ پرور ، کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرماویں گے ''کیا''؟(۱۱)

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا(۱۲)

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟(۱۳)

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں ، منہ سے مجھے بتا کہ یوں(۱۴)

یہ اشعار محض ایک نمونہ ہیں لیکن ''کلیاتِ غالب''میں ایسے اشعار جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ تغزل اور افسانہ گوئی کی اس خصوصیت نے غالب کے کلام کو ایسی وسعت بخشی ہے کہ اپنے اشکال کے باوجود یہ آج تک ہر طبقے کے قارئین کے لیے پسندیدگی کا مرکز ہے۔ اس کا ایک اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب ''اردو کلیاتِ غالب'' کی اشاعت پر پاکستان کے علاوہ دنیا کے دور افتادہ گوشوں اور ملکوں سے اس کے لیے استفسارات اور تقاضے موصول ہوئے۔ یہاں تک کہ ''ایمیزون'' نے اس کے نسخے دوسرے ملکوں میں مقیم اردو خواں قارئین کو فراہم کیے جس سے پتا چلا کہ غالب کی پسندیدگی روز بروز ''افزوں تر'' ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، توجیہات، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء

۲۔ مجموعی جائزے کے لیے دیکھیے: عبدالرحمٰن بجنوری، محاسنِ کلامِ غالب، کراچی: الکتاب، ۱۹۶۵ء

۳۔ (الف) وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۰ء

۳۔ (ب) وقار عظیم، سید، فنِ افسانہ اور افسانہ نگاری، کراچی: مکتبہ رزاقی، ۱۹۴۹ء

۴۔ ڈرامے کی روایتی ٹکنیک کے لیے دیکھیے: ارسطو، بوطیقا ترجمہ عزیز احمد، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء

۵۔ ثمینہ ندیم، ڈاکٹر، اردو غزل کے کردار، پی ایچ ڈی مقالہ: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۰ء

۶۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، عظمت رباب، ڈاکٹر، مرتبین: اردو کلیاتِ غالب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، غزل ۲۳۳، شعر ۵

۷۔ ایضاً، غزل ۲۳۳، شعر ۴

۸۔ ایضاً، غزل ۱۸۷، شعر ۵

۹۔ ایضاً، غزل ۱۷۷، شعر ۶

۱۰۔ ایضاً، غزل ۸۳، مطلع

۱۱۔ ایضاً، غزل ۸۳، شعر ۲

۱۲۔ ایضاً، غزل ۴۵، شعر ۷

۱۳۔ ایضاً، غزل ۳۳۲، شعر ۱۱، مقطع

۱۴۔ اردو کلیاتِ غالب، غزل ۱۷۷، مطلع

☆......☆......☆